اور دقیق حقائق و معارف کے ضمن میں اجمالی اشاروں پر اکتفا کیا ہے کہ ——
"عاقلاں را اشارہ کافی است!"

البتہ ع "عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں!" کے مصداق وہ "علم الاسماء" جو آدم علیہ السلام کو ابتداء ہی میں عطا کر دیا گیا تھا اور اس طرح گویا نوعِ انسانی میں بِالقُوّہ (Potentially) ودیعت کر دیا گیا تھا، ظہور و بروز کی بے شمار منزلوں سے گزر کر اب اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ "تخلیق" اور "تسویہ" کی تحقیق و تفتیش سے بڑھ کر "تکوین" یا "ایجاد و ابداع" کے در پر دستک دے!

© rasailojaraid.com

سلسلۂ تنزّلات کا مرحلۂ اوّل
اور اس سے متعلق اصطلاحاتِ قرآنی

وحیِ آسمانی "تکوین" یا "ایجاد و ابداع" کی اساس اللہ تعالیٰ کے کلمۂ "کُن" کو قرار دیتی ہے —— بفحوائے آیاتِ قرآنیہ:

۱) ﴿ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾
(البقرۃ : ۱۱۷)

۲) ﴿ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾
(آل عمران : ۴۷)

۳) ﴿ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾
(مریم : ۳۵)

۴) ﴿ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾
(المؤمن : ۶۸)

یہ چاروں آیات تو تقریباً ہم معنی ہیں —— اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے لئے اس کا بس یہ کہنا کفایت

© rasailojaraid.com

کرتا ہے کہ "کُن" اور وہ ہو جاتی ہے ـــــ البتہ دو مزید آیات میں ذرا اطناب کا انداز ہے :

۵) ﴿ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْ ءٍ اِذَآ اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ ﴾

(النّحل : ۴۰)

"جب ہم کسی چیز کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اس کے لئے بس ہمارا یہ کہنا ہی (کافی) ہوتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے!"

۶) ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ ﴾

(یٰسٓ : ۸۲)

"اس کے اَمر (کی شان) تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرما لیتا ہے تو (بس یہ) کہتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جہاں اللہ تعالیٰ کے فرامین و فرمودات' اوامر و احکام' نوامیس و قوانین اور فیصلوں اور طے شدہ امور کو "کلمات" سے تعبیر کرتا ہے وہاں مندرجہ ذیل دو آیات میں اس کا پورا امکان موجود ہے کہ "کَلِمَاتُ رَبِّیْ" اور "کَلِمَاتُ اللّٰہِ" کے لاتعداد ہونے سے مراد جہاں اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کا لامحدود ہونا ہو وہاں اس کی "مخلوقات" کا "لَاَ یُحْصٰی" ہونا بھی ہو' اس لئے کہ فی الواقع اُس کی "مخلوقات" ہی اس کے کمالِ علم' کمالِ حکمت اور کمالِ قدرت کی نشانیاں یعنی "آیات" ہیں۔ اس معنی میں گویا ہر مخلوق اللہ کے ایک کلمۂ "کُن" کا ظہور ہے :

۱) ﴿ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَاتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا ○ ﴾

(الکہف : ۱۰۹)

"کہہ دو کہ میرے پروردگار کے کلمات کے لئے اگر سمندر روشنائی بن جائے تو وہ بھی ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کے کلمات ختم

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہوں۔ خواہ اس جیسا ایک اور سمندر لے آئیں مدد کے لئے!"

۲) ﴿ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ط ﴾ (لقمٰن : ۲۷)

"اور اگر زمین کے کل درخت قلم بن جائیں اور سمندر (سیاہی کا کام دے اور) اس کے بعد سات سمندر اور ہوں مدد کے لئے، تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔"

مندرجہ بالا آیات کے عمومی اسلوب سے قطع نظر قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوقات و ایجادات میں سے تعین کے ساتھ صرف حضرت مسیح علیہ السلام کو "کَلِمَةُ اللّٰهِ" قرار دیا گیا ہے ـــــ جیسے سورۂ آل عمران کی آیت ۳۰ میں حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوش خبری کے ضمن میں حضرت یحییٰؑ کو ﴿ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ قرار دیا گیا ہے ـــــ اور ذرا آگے چل کر آیت ۴۵ میں حضرت مریمؑ کو حضرت مسیحؑ کی بشارت کے ضمن میں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ﴾ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ـــــ اور اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۂ نساء کی آیت ۱۷۱ میں فرمایا گیا ہے :

﴿ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْیَمَ ... ﴾

"بے شک مسیح یعنی مریم کا بیٹا عیسیٰ اللہ کا رسول ہے اور اُس کا "کلمہ" جو القاء فرمایا اس نے مریم کی جانب!"

اس کا سبب بظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کی "تخلیق" اور "تسویہ" کے ساتھ ساتھ "تقدیر" اور "ہدایت" کا سلسلہ بھی قائم فرمادیتا ہے، بفحوائے :

﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ ﴾ (الاعلیٰ : ۱ تا ۳)

© rasailojaraid.co

"تسبیح کرو اپنے اُس رب کی جو سب سے بالا و برتر ہے، جس نے بنایا پھر سنوارا، جس نے اندازہ ٹھہرایا پھر راہ معیّن کی۔"

یہی تقدیر و ہدایت ہے جو "جمادات" کی سطح پر "قوانینِ طبیعیہ" یعنی "Physical Laws or Laws of the Nature" کی شکل اختیار کرتی ہے۔ نباتات کے معاملے میں خالص طبیعی قوانین پر حیاتیاتی قوانین (Biological Laws) کا اضافہ ہوتا ہے۔ مزید آگے چل کر "حیوانات" کے ضمن میں ان دونوں اقسام کے قوانین پر جبلّی قوانین (Instincts) کا اضافہ ہوتا ہے۔ اور انسان کے معاملے میں ان تینوں پر اضافہ ہوتا ہے "استدلالی قوانین" (Rules of Logic) کا —— جس سے بالاتر سطح صرف "وحیِ ربّانی" کی ہے! —— تو جملہ مخلوقات کے معاملے میں جہاں تک معاملہ ان قوانین کے تحت چلتا رہے اللہ تعالیٰ کے کسی "اضافی" امرِ "کُن" کی ضرورت نہیں ہوتی —— لیکن جہاں ان میں کوئی تبدیلی مطلوب ہو یعنی —— عمومی سلسلۂ اسباب و نتائج (Cause and Effect) یا "عادی قانون" کو توڑ کر اللہ اپنی کسی مشیت خصوصی کو ظاہر فرمانا چاہے (چنانچہ اسی کو "خرقِ عادت" یا "معجزے" سے تعبیر کیا جاتا ہے!) تو ایک نئے امرِ "کُن" کی ضرورت ہوتی ہے، یا جب عام اسبابِ عادیہ کی کسی کڑی کو حذف کرنا ہو تو ایک اضافی کلمۂ "کُن" اس کڑی کی جگہ لیتا ہے —— چنانچہ یہ ہے وہ صورت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں پیش آئی کہ انسانی سلسلۂ تناسل جو عام طبعی اور حیاتیاتی قوانین کے مطابق "مرد" اور "عورت" کے "نطفۂ امشاج" سے شروع ہوتا ہے، آنجنابؑ کے معاملے میں اس قدر بدل گیا کہ آپؑ کی پیدائش بن باپ کے ہوئی گویا ایک کڑی حذف ہو گئی اور اللہ کے ایک کلمۂ "کُن" نے ایک کڑی کی جگہ لے لی —— چنانچہ وہ "كَلِمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ" یا "كَلِمَةٌ مِّنْهُ" یا "کلمةٌ" قرار پائے۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

یہ بات ''متکلّمین'' کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ ''کلام'' ــــــ ''متکلّم'' کی صفت ہوتا ہے۔ اسی بنا پر علّامہ اقبال نے قرآن حکیم کو ''مثلِ حق'' قرار دیا ہے ؎

''مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست اُو
زندہ و پایندہ و گویاست اُو!!''

اور صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں یہ بات بھی بدیہی اور متفق علیہ ہے کہ وہ ذاتِ خداوندی کے مانند اطلاقی شان کی حامل ہیں ــــــ رہی ''ذات'' اور ''صفات'' کی باہمی نسبت یعنی علّامہ اقبال کے الفاظ میں ؏ ''ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات؟'' تو اس تقریباً لاینحل مسئلے کا حل بھی ''لَا عَیۡنٌ وَلَا غَیۡرٌ'' کے سوا اور کوئی نہیں۔ (خواہ یہ بظاہر کتنا ہی مہمل نظر آئے۔)

لہٰذا ذاتِ باری تعالیٰ کا وہ کلمۂ ''کُن'' بھی جو موجودہ کون و مکان کے کل سلسلۂ تکوین و تخلیق کا نقطۂ آغاز بنا' ابتداء میں لازماً ''مطلق''، ''لامحدود'' ــــــ اور ''کیف'' و ''کم'' کے جملہ تصوّرات سے ماوراء تھا۔ البتہ اسی کلمۂ کُن نے ''تنزّلات'' کی منزلیں طے کرنی شروع کیں جن کے ذریعے ''وجوب'' سے ''امکان'' ــــــ اور ''قِدم'' سے ''حدوث'' کی جانب سفر شروع ہوا۔

گویا ''تنزّلات'' کی نسبت ذاتِ باری کی جانب نہیں اس کلمۂ ''کُن'' کی جانب ہے! ــــــ یہی وجہ ہے کہ امامِ ربّانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کُل کون و مکان اور جملہ موجودات و مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے

© rasailojaraid.co

"اظلال" سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس مرحلے پر یوحنا کی انجیل کے ابتدائی چند جملے بہت دلچسپی کا باعث ہوں گے —— اگرچہ صاف نظر آتا ہے کہ وہ وحیِ ربانی کی بجائے کسی فلسفیانہ اور متکلمانہ ذوق کے حامل انسان کے ذہن سے نکلے ہیں:

"ابتدا میں کلام تھا —— اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی"۔ (یوحنا' باب اول : ا تا ۳)

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم کی اساسی اصطلاحات میں "کلمہ" ہی کی طرح جامع اور گمبھیر اصطلاح "اَمر" کی بھی ہے —— بنیادی طور پر یہ قرآن مجید کے چند نہایت کثیرالاستعمال الفاظ میں سے ہے۔ چنانچہ لفظ "امر" کہیں "مسئلہ" یا "معاملہ" کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے' کہیں "حکم" یا "فیصلہ" کا مفہوم ادا کرتا ہے' کہیں "اختیار" اور "قدرت" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کہیں اردو زبان کے کثیرالمفہوم لفظ "بات" کے معنی میں آتا ہے —— اور ان جملہ مفاہیم کے علاوہ اس کا ایک خاص "اصطلاحی" مفہوم بھی ہے جس کے اعتبار سے یہ "خَلق" کا مقابل' یا کم از کم "مغائر" ضرور ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت ۵۴ میں جہاں واوِ عطف نے "خَلق" اور "امر" کو اللہ کی ملکیت مطلقہ یا اختیارِ مطلق کے تحت "جمع" کر دیا ہے وہاں ان دونوں کے مابین "نسبتِ مغائرت" بھی قائم کر دی ہے:

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

(الاعراف : ۵۴)

© rasailojaraid.com

"آگاہ ہو جاؤ! کہ اُسی کے ہیں خلق اور امر (دونوں)' بڑی برکت والا ہے جو رب ہے تمام جہانوں کا!"

اس "امر" کے بارے میں دو باتیں نہایت اہم اور لائق توجہ ہیں!

ایک یہ کہ قرآن حکیم کی جن آیات میں "کُنْ فَیَکُوْنُ" کی تکوینی شان کا بیان ہوا ہے ان سب میں بلا استثناء "امر" ہی کا لفظ آیا ہے —— "خلق" کا لفظ کسی ایک جگہ بھی استعمال نہیں ہوا —— یعنی یہ انداز کسی ایک جگہ بھی نہیں ملتا کہ "اِذَا اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّخْلُقَ شَیْئًا فَاِنَّمَا نَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ" —— اور قرآن کے مقامِ رفیع سے یہ بات بہت فرو ہے کہ اسے محض ایک اتفاق مانا جائے' بقولِ غالب : ؎

"گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیو!
جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے!!"

اور —— ع "زیرِ ہر ہر لفظِ غالب چیدہ ام میخانۂ !!"

دوسرے یہ کہ اس کا ایک نہایت گہرا اور قریبی تعلق لفظ "روح" کے ساتھ ہے۔ بلفحوائے آیات قرآنی :

۱) ﴿وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ....﴾

(بنی اسرائیل : ۸۵)

"اور وہ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے۔"

۲) ﴿یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ...﴾

(النحل : ۲)

"وہ فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ اتارتا ہے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے۔"

© rasailojaraid.com

۳) ﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ... ﴾

(المؤمن : ۱۵)

"وہ ڈالتا ہے روح' جو اس کے امر میں سے ہے' اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔"

۴) ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (الشوریٰ : ۵۲)

"اور اس طرح ہم نے تمہاری طرف بھی وحی کی ہے ایک روح اپنے امر میں سے۔"

ان آیاتِ مبارکہ میں سے دوسری اور تیسری آیات میں "اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِهٖ" سے مراد بالاتفاق مطلق وحیٔ نبوّت ہے' چوتھی آیت میں معیّن طور پر وحیٔ قرآنی کا ذکر ہے —— لیکن جمہور کے نزدیک اس سے مراد "روحِ انسانی" ہے —— پہلی آیت میں بھی بعض حضرات کے نزدیک مراد وحیٔ قرآنی ہی ہے —— لیکن جمہور کے نزدیک اس سے مراد "رُوحِ انسانی" ہے۔ بہرحال سردست اصل قابل توجہ معاملہ "روح" اور "امر" کے مابین قریبی رشتے اور تعلق کا ہے!!!

اب اگر قرآن حکیم میں لفظ "روح" کے دوسرے استعمالات و اطلاقات پر غور کیا جائے تو جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے :

۱) چار مقامات (البقرہ : ۸۷' ۲۵۳ —— المائدۃ : ۱۱۰ —— النحل : ۱۰۲) پر "رُوْحُ الْقُدُسِ" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں —— اور ایک مقام (الشعراء : ۱۹۳) پر "اَلرُّوْحُ الْاَمِيْنُ" کے الفاظ آئے ہیں' اور ان تمام مقامات پر مراد غالب اکثریت کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں!

۲) دو مقامات (المعارج : ۴ اور القدر : ۴) پر ﴿ اَلْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ ﴾ کے

© rasailojaraid.com

الفاظ آئے ہیں اور ایک مقام (النبأ : ۳۸) پر ﴿ اَلرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ کے —— اور اگرچہ بعض رائیں اور بھی پائی جاتی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک یہ عام پر خاص یا خاص پر عام کے عطف کا معاملہ ہے —— اور "اَلرُّوْحُ" سے مراد ان مقامات پر بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی ہیں! دوسرے نمبر پر رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ہیں "ارواحِ انسانیہ" یا وہ عظیم ترین فرشتہ جو گویا ارواحِ انسانیہ کا مخزن ہے!

۳) سورۂ مجادلہ (آیت ۲۲) میں مؤمنینِ صادقین کے لئے اللہ تعالیٰ کی تائید کے ضمن میں ﴿ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ﴾ کے الفاظ آئے ہیں، جس سے مراد ہے اللہ کی غیبی مدد جو جیسا کہ قرآن حکیم کے دوسرے مقامات (جیسے سورۂ انفال : ۱۲ اور سورۂ آل عمران ۱۲۴، ۱۲۵) سے معلوم ہوتا ہے، اکثر ملائکہ ہی کے ذریعے پہنچائی جاتی ہے۔

۴) اپنی ذاتِ مبارکہ کی جانب اضافت کی نسبت کے ساتھ لفظ "روح" کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں چھ مقامات پر استعمال فرمایا ہے : تین بار تخلیقِ انسانی کے ضمن میں کہ "تخلیق" اور "تسویہ" کے مراحل کی تکمیل کے بعد اس میں اللہ نے "اپنی روح" میں سے پھونکا (السجدۃ : ۹، الحجر : ۲۹ اور صٓ : ۷۲) —— اور تین ہی بار حضرت مریمؑ کے ذکر میں —— جن میں سے دو مقامات (الانبیاء ۹۱ اور التحریم : ۱۲) پر حضرت صِدّیقہؑ کے بطن میں حضرت مسیحؑ کے استقرارِ حمل کے ضمن میں فرمایا گیا کہ "ہم نے اپنی روح میں سے پھونکا۔" —— اور ایک مقام (مریم : ۱۷) پر بایں طور کہ جو فرشتہ انہیں حضرت مسیحؑ کی بشارت دینے کے لئے بھیجا گیا تھا، اسے "رُوْحَنَا" (ہماری روح) سے تعبیر فرمایا گیا۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

۵) آخری ـــــ اور موضوعِ زیرِ بحث کے اعتبار سے اہم ترین ـــــ یہ کہ سورۂ نساء کی آیت ۱۷۱ میں جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کو "کلمۃ" سے تعبیر فرمایا گیا ـــــ وہاں "رُوْحٌ مِّنْهُ" بھی قرار دیا گیا!

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمۂ "کُن" ـــــ اس کے "امر" اور لفظِ "روح" کے مابین بڑا قریبی رشتہ و تعلق ہے ـــــ اور ملائکہ' ارواحِ انسانیہ اور روحی کم و بیش ایک ہی قبیل کی حقیقتیں ہیں!

© rasailojaraid.co

ملائکہ' ارواحِ انسانیہ اور وحی کے باہمی قرب ـــــ اور ذاتِ باری سبحانہ و تعالیٰ سے ان کے قریبی تعلق کو ظاہر کرنے والا ایک مزید لفظ "نور" ہے۔ چنانچہ :

۱) یہ حقیقت تو اظہر من الشمس ہے کہ قرآن حکیم "وحی" کو نور قرار دیتا ہے جیسے سورۂ مائدہ کی آیات ۴۴ و ۴۶ میں تورات ـــــ اور انجیل دونوں کو ﴿هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ سے تعبیر فرمایا گیا اور سورۂ انعام کی آیت نمبر ۹۱ میں تورات کیلئے ﴿نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾ کے الفاظ وارد ہوئے ـــــ اسی طرح خود قرآن حکیم کیلئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت ۱۵ میں ﴿نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں ﴿اَلنُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ ـــــ اور سورۂ تغابن کی آیت ۸ میں ﴿وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے!

۲) فرشتوں کے بارے میں حدیثِ نبوی ﷺ (مسلمؒ عن عائشہ رضی اللہ عنہا) میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ "اللہ نے انہیں نور سے پیدا فرمایا۔"

© rasailojaraid.co

۳) روحِ محمدیؐ کے بارے میں ایک مشہور حدیث میں، جو اگرچہ محدثین کے معیارِ جرح و تعدیل پر تو پوری نہیں اترتی تاہم اکثر صوفیاء ہی نہیں مفسرین نے بھی اسے قبول فرمایا ہے، "نور" ہی کا لفظ آیا ہے یعنی "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" —— اسی طرح ایک اور حدیث جس کا حوالہ تو تا حال دستیاب نہیں ہو سکا لیکن معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ مولانا غلام مرشد مرحوم اسے اپنے دروس میں بیان فرمایا کرتے تھے، اس کی رو سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا —— جواباً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ "نُوْرُ نَبِیِّكَ یَا جَابِرُ نُوْرُ نَبِیِّكَ"۔

© rasailojaraid.co

۴) خود ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے، انسانی ذہن کی محدودیت اور نارسائی کے پیشِ نظر، قریب ترین لفظ جو طور تمثیل اختیار کیا گیا، وہ "نور" ہی ہے —— جیسے سورۂ نور کی آیت ۳۵ ﴿اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے الفاظِ مبارکہ —— اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول "نُوْرٌ اَنّٰی یُرٰی" کے الفاظ۔

ان حقائق کے پیشِ نظر کیا یہ نتیجہ نکالنا بعید از قیاس یا دور کی کوڑی لانا قرار دیا جا سکتا ہے کہ :

تخلیقِ کائنات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اوّلین کلمۂ "کُن" نے اپنے تنزل کے مرحلۂ اوّل میں ایک نورِ بسیط کی صورت اختیار کی —— اور اس سے اللہ تعالیٰ نے خلعتِ وجود عطا فرمایا ملائکہ اور ارواحِ انسانیہ کو، جن کی اصل "نور" ہے —— اور جو صاحبِ تشخّص اور شعور ہی نہیں "خود

© rasailojaraid.co

شعوری" کی نعمتِ عظمیٰ سے بھی سرفراز ہیں!

اور اس میں کون سے تعجب کی بات ہے کہ ان ملائکہ اور ارواحِ انسانیہ میں سب سے پہلے خلعت وجود سے سرفراز ہونے والی ہستی "نورِ محمدی ﷺ" —— یعنی "روحِ محمدیؐ" ہی ہو' —— فِدَاهُ آبَاءُنَا وَ اُمَّهَاتُنَا!!

واضح رہے کہ قرآن حکیم جس طرح نہ صرف شعور بلکہ شعورِ ذات کی حامل ان دونوں انواع (یعنی فرشتوں اور ارواحِ انسانیہ) کو "عالمِ اَمر" سے متعلق قرار دیتا ہے اسی طرح ان کے باہمی مخاطبہ و مکالمہ —— اور خود اللہ تعالیٰ کے ان دونوں سے خطاب و کلام کو بھی —— جس کا اصطلاحی نام "وحی" ہے "عالمِ اَمر" سے متعلق قرار دیتا ہے —— اس موضوع پر قرآن کا "ذروۂ سنام" یعنی اہم ترین مقام سورۂ شوریٰ کی آیات ۵۱' ۵۲ ہیں :

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ﴾

(الشّوریٰ : ۵۱-۵۲)

"اور کسی بشر کی بھی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے' یا پردے کی اوٹ سے' یا بھیجے کسی فرشتہ کو' پس وہ وحی کردے اس کے اِذن سے جو وہ چاہے۔ وہ بڑا ہی عالی مقام' بڑا ہی حکیم ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف بھی وحی کی ہے ایک روح اپنے امر میں سے' نہ تم یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کو ایک نور بنادیا جس سے ہم ہدایت

© rasailojaraid.com

دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں' اور بے شک تم ایک سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کر رہے ہو"

ان آیاتِ مبارکہ میں "روح" —— "امر" —— "وحی" —— اور "نور" کے الفاظِ مبارکہ جو ہماری اس پوری بحث کا مبنی اور مدار ہیں' جس شان سے وارد ہوئے ہیں' اس کی کوئی دوسری مثال اغلباً خود قرآن میں موجود نہیں ہے (واللہ اعلم!)۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان دو آیات کو اس موضوع پر قرآن کا "ذروۂ سنام" قرار دیا ہے۔

الغرض! ایجاد وابداع سے تخلیق و تسویہ تک کے طویل سفر کا مرحلۂ اوّل —— یا بالفاظ دیگر سلسلۂ "تنزلات" کی پہلی منزل —— جس سے قرآن حکیم کی اہم اصطلاحات: کلمہ و کلمات' رُوح و وحی اور اَمر و نور متعلق ہیں —— یہ تھی کہ ذاتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کے اَمرِ "کُن" نے ایک ایسے نہایت لطیف و بسیط' اور خنک و پُر سکون "نور" کی صورت اختیار کرلی جس میں نہ حرارت و تپش تھی' نہ حرکت و تموّج! —— اور اس مرحلہ پر اسی نورِ بسیط سے تخلیق کی گئیں دو صاحبِ تشخّص' اور صرف صاحبِ شعور وارادہ ہی نہیں بلکہ حاملِ شعورِ ذات (SELF-CONSCIOUS) مخلوقات' یعنی: ایک "روح القدس" اور "الرّوح الامین" یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام سمیت جملہ ملائکہ کرام جن کی تعداد لاَ یُحَاطُ بھی ہے اور لاَ یُحصٰی بھی (بمصداقِ: ﴿ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلاَّ هُوَ! ﴾[1] المدّثّر : ۳۱) اور جن کے بارے میں یہ صراحت بھی حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہے کہ ان کی تخلیق "نور" سے ہوئی' (مسلمؒ عن عائشہ

---

۱) "اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

© rasailojaraid.com

رضی اللہ عنہما) اور دوسرے روحِ آدمؑ اور رُوحِ محمدیؐ سمیت نسل آدم کے اُن تمام افراد کی ارواح جو تا قیامِ قیامت پیدا ہوں گے۔ یہ ارواحِ انسانیہ جو "جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ" کی شکل میں تھیں، (مسلمؒ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) ان سے اوّلاً ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ عہد لیا کہ وہ اُسے ہی اپنا رب تسلیم کرتی ہیں اور کرتی رہیں گی (بفحوائے ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ﴾ [۲] الاعراف : ۱۷۲) پھر ان پر "اِماتۃُ الاُولٰی" کی نیند طاری کر کے انہیں ایک "مخزنِ ارواح" میں محفوظ کر دیا، جہاں سے وہ اپنے اپنے وقت پر منشعب ہو کر اجسادِ انسانیہ میں پھونکی جاتی ہیں۔ (جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ایک رائے کے مطابق یہ "مخزنِ ارواح" ہی وہ ملکِ اعظم "الرُّوح" ہے جس کا ذکر ملائکہ کے ساتھ معطوف یا معطوف علیہ کے طور پر قرآن مجید میں تین بار آیا ہے : المعارج : ۴، النبأ : ۳۸، اور القدر : ۴)

واضح رہے کہ تنزّلات کے اس مرحلۂ اوّل پر وجود میں آنے والے عالمِ نورانی میں ابھی زمانِ جاری (SERIAL TIME) کا کوئی تصور ہی موجود نہیں تھا لہٰذا اس مرحلے پر خلعتِ وجود سے مشرف ہونے والی ہستیاں یعنی ملائکہ اور ارواحِ انسانیہ بھی زمان و مکان کی محدودیتوں سے ماوراء ہیں اور ان کے عرش سے فرش اور بالعکس فرش سے عرش تک —— اور مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک منتقل ہونے میں کوئی "وقت" صرف نہیں ہوتا!

---

۲) "(تمہارے رب نے پوچھا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: ضرور (آپ ہی ہمارے رب ہیں!)"

© rasailojaraid.com